

دینی معاشرہ قرآن و سنت کی نظر میں

<?xml encoding="UTF-8">

دینی معاشرہ کیسا ہونا چاہے اس مضمون میں قرآن و سنت کی روشنی میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

بے شک انسان پاک الہی فطرت (روم 31) اور اجتماعی زندگی کا حامل ہے اور قرآن مجید کی تعبیر میں امت واحد ہے **کان الناس امة واحدة** (بقرہ 213) انسان امت واحد ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ طباطبائی فرماتے ہیں کہ کان الناس امة واحدة کے معنی یہ ہیں کہ انسان سماجی زندگی گذارتا ہے وہ اس طرح کہ کوئی بھی شیئی انسان کو سماجی زندگی گزارنے سے بے نیاز نہیں کر سکتی۔

انسانی فطرت پر بہت سے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ دوسری طرف سے مختلف عوامل انسانوں میں امتیاز کا سبب بنتے ہیں۔ قرآن کریم نے انسانی نسل کی یگانگت اور فطرت کے ایک ہونے پر تاکید کرنے کے ساتھ ساتھ اختلافات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جیسے نسل و رنگ زبان و استعداد اور صلاحیت وغیرہ، یہ تمام امور خداوند حکیم کے ارادے کی بنیاد پر وجود میں آئے ہیں اور انسانوں میں فطری اختلاف یا تمایز کا سبب ہیں اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ امور انسان کے لئے برتری کا سبب ہرگز نہیں ہیں۔ ارشاد ہورہا ہے **"یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکروانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکر مکم عند اللہ اتقاکم۔"** (حجرات 13)

"اے لوگو ہم نے تمہیں نر اور مادے سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ پہچانے جاو اور بے شک تم میں سے خدا کے نزدیک سب سے باعزت وہ ہے جس کا تقویٰ زیادہ ہے۔"

ایک اور آیت میں ارشاد ہورہا ہے کہ **"ومن آیاتہ خلق السماوات والارض واختلاف السننکم و الوانکم۔"** (روم 22) "خدا کی نشانیوں میں آسمان و زمین کی خلقت اور تمہاری گوناگون زبانیں اور رنگ ہیں۔"

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہورہا ہے **"وقد خلقکم اطوارا۔"** تمہیں مختلف انداز میں پیدا کیا (نوح 14) اہم یقسمون رحمت ربک۔ کیا وہ خدا کی رحمت کو بانٹتے ہیں (زخرف 32)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خدانے بنی نوع انسان کی ذات میں کچھ ایسی چیزیں رکھی ہیں جن سے ایک طرح کا امتیاز پیدا ہوتا ہے لیکن قرآن نے ان اختلافات کو برتری کا سبب قرار نہیں دیا ہے بلکہ صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو ہی اپنے نزدیک برتری کا سبب بتایا ہے۔

قرآن کریم نے غیر فطری اختلاف کی مذمت کی ہے۔ ان اختلافات کا سرچشمہ خود غرضی اور شقاوت (بقرہ 176)، ظلم و طغیان (بقرہ 23، آل عمران 19، جاثیہ 17)، بے بنیاد شک (نساء 197) اور حق کے واضح ہونے کے بعد ان کا انکار کرنا جیسے امور قرار دیا ہے۔ (یونس 93)

قرآن مجید نے ان ہی امور کی وجہ سے توریت اور انجیل کی حامل امتوں کی مذمت کی ہے کیونکہ وہ مذموم اختلافات کو اہمیت دیتی تھیں۔

خداوند متعال نے انبیاء و رسل کو توحید فطری کی طرف دعو دینے (انبیاء 73، ابراہیم 1، 11، مائدہ 1، اور احزاب 46)، قیام عدل و انصاف، نفاذ حدود الہی، اور انسان کو غلط آداب و رسوم اور خرافات، جہل و نادانی اور غلط قوانین اور طاغوتی قوتوں کے ظلم و استبداد سے نجات دلانے نیز طبقاتی نظام سے رہا کرانے کی ذمہ داری سونپی تھی (نحل 64، بقرہ 213، حدید 25، نساء 14، 13، اعراف 157)

دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے انبیاء و رسل کو "اسلامی امت" کے وجود میں لانے کی ذمہ داری سونپی تھی۔

قرآن مجید بزرگ پرچم دار توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی کہتا ہے کہ **"ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک"** (بقرہ 128) پروردگارا ہم دونوں کو اپنا مسلمان اور فرمانبردار قرار دے اور ہماری اولاد میں بھی ایک فرمانبردار امت پیدا کر۔

بنابریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ خاتم الانبیاء ہیں ان کی بعثت کا مقصد بھی عدل و انصاف کا قیام امت واحد کی تشکیل جو کہ عالمگیر، اعتدال پسند، مثالی اور سب پر شاہد ہوئے۔ بالفاظ دیگر آپ کی رسالت کا ہدف آغاز خلقت سے اب تک بہترین امت وجود میں لانا ہے۔ (انبیاء 92، مومنوں 52، سباء 28، بقرہ 143، آل عمران 110)

اس ارادہ الہی کے متحقق ہونے اور اس رسالت کو انجام دینے کے لئے ایمان کامل، خداداد شرح صدر، فولادی ارادے، اور رحمت خاص میں شمولیت، بے پناہ جدوجہد۔ صبر جمیل، بے مثال استقامت جو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان ہودرکار ہے، اور یہ سارے صفات خدانے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کر کے انہیں قیامت تک کے لئے نمونہ عمل اور شاہد و شہید بنایا ہے خدائے رحمان و رحیم نے نہ صرف یہ کہ خدا اور روز آخرت سے پر امید لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل قرار دیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو حیات آفرین اور آپ پر ایمان اور آپ کی نصرت کو سعادت کا سبب بنایا، اسی طرح آپ کے احکام سے سرپیچی کرنے اور آپ کی سیرت و سنت کو نظر انداز کرنے کو جہنم میں داخل ہونے کا سبب قرار دیا۔ (قصص 5، بقرہ 285، شرح 1، احقاف 35، انبیاء 107، مزمل 7، معارج 5، ہود 112، بقرہ 143، احزاب 23، انفال 24، اعراف 157، جن 23، احزاب 66)۔

لہذا جس کا عمل رسول اللہ الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق نہ ہو اسے خود کو شیعہ یا سنی کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

خدانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیکر یہ کہہ دیا ہے، نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت کی پیروی خدائے وحدہ لا شریک کی اطاعت، حضرت حق کی محبت اور اس سے قربت کا وسیلہ اور اس کی کریمانہ مغفرت کے حصول کا سبب ہے بلکہ صرف اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہی صراط مستقیم پر گامزن ہونے، ہدایت یافتہ اور نعمت الہی سے سرشار لوگوں کے قافلے میں شامل ہونے کی ضامن ہے۔ (نساء 59، نساء 80، آل عمران 31، نساء 69)

اسی وجہ سے اس آیت کریمہ **"وما آتاکم الرسول فخذوه و ما نہاکم عنہ فانتہوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب"** (حشر 7)

اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دیدے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کر دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ اس آیت کی رو سے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن مجید کے حوالے سے بے توجہی اور بے عملی کا خاتمہ کر کے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے ورنہ احادیث کے مطابق خود قرآن بارگاہ احدیت میں شکایت کرے گا۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سبقت لے جانے اور ان کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنے، دوسروں کی سیرت و سنت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت پر ترجیح دینے یا آپ کی سنت کو

ترک کرنے سے ہر حالت میں پرہیز کرنا لازمی اور واجب ہے ورنہ ہم سعادت سے محروم اور عذاب الیم کے مستحق ہوجائیں گے۔

واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ چونکہ توحید پر مبنی اور تربیت خاص الہی کا نتیجہ ہے لہذا اس کا کوئی ثانی نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے آپ کی سیرت پر ہی عمل کیا اور ذرہ برابر اس سے نہیں ہٹے اور ہمیں بھی اسی پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے (دیکھیں نہج البلاغہ خطبہ 110) نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسین علیہ نے بھی اپنے انقلاب کا آغاز اس جملے سے کیا کہ آپ مدینے سے روانہ ہوتے وقت فرماتے ہیں "اسیر بسیرۃ جدی وابی" میں آپنے نانا اور بابا کی سیرت پر عمل کرونگا۔ (فرقان 30، حجرات 1، 2)

ایک اہم بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کی جو صراط مستقیم کی تجلی ہے صحیح شناخت کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ اصحاب و عقیدتمندوں نے بہت سی باتیں اس میں ملادی ہیں اور فتوحات اسلامیہ کے تحت قلمرو اسلام میں شامل ہونے والی قوموں کی رسوم بھی سیرت نبوی میں خلط ملط کردی گئی ہیں لہذا حقیقی سیرت النبی کو خلط شدہ امور سے منزہ کرنے کے لئے جہاں صاف ذہن اور تبحر علمی کی ضرورت ہے وہیں تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے مبرا ہونے کی بھی ضرورت ہے۔

زیر نظر مضمون میں دینی معاشرے کی تشکیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سنت پراختصار سے روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ آپ نے دینی معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے کیا حکمت علی اپنائی تھی جس کا حکم خدانے آپ کو دیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حکمت عملی آج بھی ہمارے لئے نمونہ عمل ہے اور اس پر عمل کر کے مسلمان امت واحدہ اور مثالی امت بن سکتے ہیں کیونکہ یہ ذمہ داری آج ہم سب پر عائد ہوتی ہے اور ہم کسی بھی طرح اس سے خود کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہمارا کوئی عذر ہی قابل قبول ہے۔ اگر خدا چاہتا تو خود بغیر کسی رکاوٹ کے عالمگیر اسلامی امت کو وجود بخش سکتا تھا لیکن اس نے یہ ذمہ داری مسلمانوں کی فرد فرد کو سونپی ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون نیک ہے اور کس نے اپنا فریضہ انجام دیا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے "ولو شاء لجعلکم امة واحدة ولكن لیبلوکم فی ما تاکم فاستبقوا الخیرات الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون" (مائدہ 48)

"اور خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنادیتا لیکن وہ اپنے دئیے ہوئے قانون سے تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے لہذا تم سب نیکیوں کی طرف سبقت لے جاؤ کہ تم سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے وہاں وہ تمہیں ان باتوں سے باخبر کرے گا جن میں اختلاف کر رہے تھے" (مائدہ 48)

دین کی اساسی اجتماعی تعلیمات

قرآنی آیات و روایات سے دینی معاشرہ قائم کرنے کے بارے میں دین کی تعلیمات اور اصولوں کا استنباط کیا جاسکتا ہے۔ کچھ اصول حسب ذیل ہیں۔

- 1۔ فردی اور اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف کا قیام (سورہ مائدہ 5)
- 2۔ اتحاد و محبت و مہربانی سے اختلافات حل کرنا (انفال 16)
- 3۔ کارخیر میں تعاون اور گناہ و تعدی میں عدم تعاون (مائدہ 2)
- 4۔ احسان و خیرات، انفاق و غربت سے مقابلہ، معاملات میں صداقت و نیکی۔

تفسیر نمونہ میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں آیا ہے "اس آیت میں نفاذ عدل و انصاف کے بارے میں ایک بنیادی اور کلی قانون بیان کیا جا رہا ہے یہاں یہ تاکید کی جا رہی ہے کہ عدل و انصاف بغیر کسی امتیاز کے تمام لوگوں کے لئے ہونا چاہیے اس آیت میں تمام اہل ایمان کو عدل و انصاف پر عمل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حکم یہ ہے کہ بہر حال ہر کام اور ہر عصر و زمانے میں عدل و انصاف پر عمل ہونا چاہئے تاکہ عدل و انصاف پر عمل درآمد کرنا ہماری سرشت میں شامل ہو جائے اور یہ ہماری عادت بن جائے اور اس سے انحراف ہماری طبیعت اور ضمیر کے لئے ناپسندیدہ بن جائے۔

عدالت کے معنی پرشیئی اور شخص کو اس کے مقام پر رکھنا ہے (نہج البلاغہ حکمت 437) اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے جسمیں حکم و قضاوت رفتار و گفتار اور زندگی کا ہر شعبہ شامل ہے۔ (نساء 58، انعام 152، اسراء 35، انعام 141)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام مالی اور اقتصادی مسائل اور بیت المال کی تقسیم میں اس باریک بینی سے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے تھے کہ سب کے لئے عام زندگی اور نسبی خوش حالی ممکن ہو سکے اور کسی خاص گروہ کے ہاتھوں دولت و ثروت کے انبار نہ لگ جائیں اور قرآن کی اس آیت کا عملی مصداق سامنے آجائے کہ "سارامال صرف مالداروں کے درمیان گھوم پھر کر نہ رہ جائے" (حشر 7)

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے منصفانہ اقدامات سے کچھ لوگ ان کے مخالف بن گئے اور ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانشین نے کبھی بھی مصلحت کی بنا پر عدل و انصاف سے عدول نہیں کیا۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عدل و انصاف کا نفاذ آسان کام نہیں ہے اس لئے شدید مصائب جھیلنے پڑتے ہیں، نفاذ عدل و انصاف کی سختیوں کو یہ آیت مبارکہ بیان کر رہی ہے "فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الہوی (ص 26) تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو کہ وہ راہ خدا سے منحرف کردیں بے شک جو لوگ راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی معاشرے میں ہر انسان کا عادل اور منصف ہونا محض ایک خوبصورت و دلکش نعرہ نہیں ہے بلکہ ایک طویل مدت پروگرام ہے جو چار بنیادوں پر مشتمل ہے 1 بینات 2، کتاب 3، میزان 4، حدید (حدید 25)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی رو سے بے بنیاد بہانوں کی بنا پر عدل و انصاف سے دستبردار نہیں ہوا جاسکتا۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ "من ولی عسرا فلم يعدل فیہم جاء یوم القیامة ویداہ ورجلاہ وراسہ فی ثقب فاس" کسی شخص کو اگر دس افراد کی سرپرستی سونپی گئی ہو اور وہ ان کے ساتھ عدل و انصاف نہ کر سکے تو قیامت کے دن اسے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں اور سر پر لوہے کا ایک خود پہنا کر جسمیں لگام لگی ہوگی لایا جائے گا۔ (شیخ صدوق 260) یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اسلام جس عدل و انصاف کا قائل ہے وہ کوئی حکم تعبدی نہیں ہے بلکہ اسلامی عدالت سے معاشرے میں استقامت استحکام اور ترقی و سلامتی آتی ہے۔ الملک ینی مع الکفر ولا ینی مع الظلم۔ کی رسا اور معنی دار تعبیر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خطروں اور عدم سلامتی کی بنیادی وجہ بے انصافی اور ظلم ہے۔ علامہ طباطبائی تفسیر میزان میں کہتے ہیں کہ اگر معاشرے میں حق کی پیروی اور عدل و انصاف کا نفاذ ہو جائے تو وہ معاشرہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور مضمحل نہیں ہو سکتا نتیجے میں ایسے معاشرے میں خوش حالی پھیل جاتی ہے اور غربت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ (المیزان ج 5، 109)۔

اتحاد، اختلافات سے پرہیز اور آپسی محبت اتحاد پیدا کرنا،

اختلافات کا حل، خاص طور سے دینی اختلافات کو حل کرنا، برادری اور محبت کی فضا بنانا، حسد اور کینہ توزی کے اسباب کا ازالہ، اور پیار و محبت پھیلانا دینی معاشرہ قائم کرنے کے بنیادی لوازمات ہیں۔ رب العزت نے قرآن میں تمام مومنین کو برادر قرار دیا ہے (حجرات) اور انہیں امت واحدہ اور عظیم امت میں

شامل کرتے ہوئے اپنا بندہ کہا ہے "ان هذه امتكم امة واحدة" اور بے شک یہ تمہارا دین ایک ہی دین اسلام ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں لہذا میری ہی عبادت کیا کرو۔ (انبیاء 92 مومنون 52)

خدائے اتحاد کو نعمت قرار دیتے کر تمام انسانوں کو اتحاد کی دعوت دی ہے ارشاد ہوتا ہے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ واذکرو نعمت اللہ علیکم اذکنتم اعداء فاللہ بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً۔ (آل عمران 103) اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

قرآن کریم انسانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ تقویٰ اختیار کر کے اپنے اختلافات حل کریں۔ ارشاد ہوتا ہے فاتقوا اللہ والصلحوا بینکم (انفال 1) تقویٰ اختیار کرو اور آپسی اختلافات حل کرو (آپس میں اصلاح کرو)۔ حکم قرآنی ہے کہ گھریلو اختلافات اور مسائل حل کر کے گھرانے میں چین و سکون کا ماحول بنائے رکھیں (بقرہ 224، نساء 35)۔

سورہ حجرات میں حکم خداوندی ہے کہ "وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما" اگر مومنین کے دو گروہ لڑ بیٹھیں تو ان میں صلح کرو۔ قرآن نے اس طرح کے صلح پسندانہ اقدامات کو بھائیوں کے درمیان اصلاحی اقدامات سے تعبیر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے "انما المومنون اخوه فاصلحوا بین اخویکم" بے شک مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح و صفائی رکھو (حجرات 10)

خدائے قرآن میں خاص طور سے دین میں تفرقہ اندازی کی مذمت کی ہے اور اسے عذاب کا سبب قرار دیا ہے (آل عمران 105) اور اسلامی امت کو اس سے دور رہنے اور پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے (شوری 13) اور صراحتاً مذہب و دین میں تفرقہ ڈالنے والوں کو سنت و سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور اور آنحضرت کو ان سے بیزار بتایا ہے۔ سورہ انعام میں ارشاد ہوتا ہے "جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے ان کا معاملہ خدا کے حوالے ہے پھر وہ انہیں ان کے اعمال کے بارے میں باخبر کرے گا (انعام 159)

خدا مسلمانوں کے درمیان تنازعے اور تصادم کو ہرگز دوست نہیں رکھتا کیونکہ اس سے مسلمان کمزور پڑ جاتے ہیں اور ان کی عظمت و عزت میں کمی آجاتی ہے بنا بریں قرآن کی نظر میں اتحاد و انسجام ایک طرح کی طاقت ہے جس کا حصول ضروری ہے اور اس کے ذریعے دشمن کو ڈرانا چاہیے تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی بھی طرح کا قدم اٹھانے کی جرات نہ کر سکے۔ (انفال 46، آل عمران 152، انفال 60)

قرآن کریم نے حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامنے اور خدا و رسول و اولی الامر کی اطاعت کو اتحاد کا محور قرار دیا ہے اسی طرح طاغوت کو حکم بنانے جاہلیت کی پیروی کرنے نیز خدا و رسول اور آپکی سنت سے روگردانی، اور اپنے اختلافات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنے کو عدم ایمان کی نشانی اور غیر حق کی پیروی نیز تفرقہ اور تشیت کا بنیادی سبب قرار دیا ہے۔ (انفال 46، نساء 59، احزاب 36، نساء 65، نساء 61، انعام 153، فتح 29)

صدر اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ مشیت الہی کے تحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقدامات کے سہارے دیرینہ اختلافات محو ہو گئے تھے اور ایسی دوستی کی فضا قائم ہوئی تھی کہ جس کی مثال آج تک نہیں ملتی، اوس و خزرج کے بڑے قبیلے جو کبھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

خداوند متعال نے نہ صرف اپنے نبی کو مسلمانوں اور مومنین کے درمیان اتحاد قائم کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی بلکہ انہیں خدا پر عقیدے کی روشنی میں اہل کتاب کو بھی مسلمانوں کے ساتھ متحد کرنے کا حکم دیا تھا۔ آل عمران 64۔

اس کے علاوہ بزرگ صحابہ کی سیرت بھی ہمیں اتحاد کی طرف دعوت دیتی ہے ۔

کیا حضرت علی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعی و جہد مسلسل کے بعد مسلمانوں کو متحد رکھنے میں پچیس سال تک انتھک کوشش نہیں کی؟ اور کیا محض اتحاد امت کی خاطر اپنے مسلم حق ولایت سے چشم پوشی نہیں کی؟ لہذا اس وقت ہم جبکہ امت اسلامی کو سب سے زیادہ ضرورت اتحاد کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور روایات کے برخلاف نسلی تعصب، اندھی تقلید اور اپنے اسلاف کی غلط روشوں اور ان کی بعض غلطیوں پر قائم ہیں؟ کیا ہماری یہ غلط روشیں، حق اور سنت نبوی و علوی پر مبنی اتحاد آفریں افکار و نظریات کی راہ میں مسلمانوں میں اتحاد و اخوت پیدا کرنے کی منصوبہ سازی اور ان منصوبوں پر عمل درآمد کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتیں؟

کیا ہماری بدگمانیاں غلط فہمیاں، خودسری اور اپنے مذہب کو حق ثابت کرنے کے لئے ایک دوسرے پر تہمت و بہتان لگانا کہ جس کا باعث بعض غیر ملکی عناصر ہیں، کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت اطہار علیہم السلام کی سیرت و سنت سے مطابقت رکھتا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ **الاخبرکم بأشراکم قالوا: بلی یا رسول اللہ! قال: المشاؤون بانميمة المفروقون بین الاحبة الباغون للبراء العیب** : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا نہیں چاہتے ہو میں تم میں سے بدترین افراد کی نشاندہی کروں : لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ: آپ نے فرمایا وہ شخص تم میں سب سے برا ہے جو نامی اور سخن چینی کر کے دوستوں میں جدائی ڈالتا ہے اور بے گناہ افراد کے لئے عیب تراشتا ہے۔ (شیخ صدوق ج 4 ص 375) ابن عباس کہتے ہیں **ان النبی سئل عن الشهادة فقال تری الشمس علی مثلها فاشهد او دع۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شہادت اور گواہی دینے کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جس میز کے بارے میں تمہیں شہادت دینی ہے اسے سورج کی طرح روشن دیکھو تو گواہی دو ورنہ مت دو (محدث نوری ج 17 ص 422) کیا خدای حکیم نے ہمیں مدمقابل کی گفتگو سننے کی دانشمندانہ روش اپنانے اور آداب کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کرنے کا حکم نہیں دیا (سورہ زمر 17) اور کیا ان صفات کو ہدایت پا جانے اور دانشمندی کا مظہر قرار نہیں دیا؟ کیا اسلام میں غیبت، عیب جوئی، جھوٹ تہمت، توہین لعن وغیرہ کو حرام نہیں قرار دیا گیا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نہیں سکھایا ہے کہ دوسروں کے عیوب سے چشم پوشی کریں اور دوسروں کے عیوب کو ظاہر نہ کریں تاکہ خدا ہمارے عیوب چھپالے۔ کیا ہم ان تعلیمات سے یہ سبق نہیں حاصل کرتے ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف بغیر ثبوت اور بغیر مدرک و حوالے کے دشمنی کا اظہار اور ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے لٹریچر شائع نہیں کرنا چاہیے۔ بے شک امت اسلامیہ کی فرد فرد کو بدگمانی، کینے اور دشمنی سے دور رکھنا امت کی سلامتی، پیشرفت اور اسکی اصلاح کا باعث ہے، اور اس سے دشمنی اور تصادم میں کمی بھی آتی ہے یہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے، کیا اسلام و مسلمین کے دشمن مسلمانوں کے درمیان اختلافات اور نتازے پھیلا کر ان کی اصلاح کی کوششوں، ان کی عزت طاقت اور سرپرستی کو ختم کرنے کے درپے نہیں ہیں؟ کیا ہم سب پر مسلمان ہونے کے ناطے یہ واجب نہیں ہے کہ ہم امت اسلامی میں کینے اور حسد کی بیخ کنی کی کوشش کریں؟ کیا ہم نے اپنا یہ فریضہ انجام دیا ہے تاکہ ان حقوق کے حامل بن جائیں جن کا ذکر قرآن اہل بہشت کے بارے میں میں کر رہا ہے "ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی

سررمتقابلین " اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہونگے (حجر 47)

ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ ویسے نہ بنیں جیسا کہ دوزخیوں کے بارے میں بتایا گیا ہے "ان ذالک لحق تخاصم اهل النار" (ص 64) یہ اہل جہنم کاجھگڑا ایک امر حق ہے۔ "کلما دخلت امة لعنت اختها" ارشاد ہوتا ہے کہ تم سے پہلے جن و انس کی مجرم جماعتیں گزرچکی ہیں تم بھی انہیں کے ساتھ جہنم میں داخل ہوجاؤ۔ حالت یہ ہوگی کہ ہر داخل ہونے والی جماعت دوسری پر لعنت کرے گی۔

تعاون اسلامی

معاشرہ وجود میں لانے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت رہی ہے کہ آپ باہمی تعاون پر بے حد تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اسلام کی نگاہ میں اسلامی معاشرے کے افراد ایک پیکر کے اعضاء ہیں (اصول کافی ج 2 ص 165) جو ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔ انہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرکے آپسی مشکلات اور مسائل کو حل کرنا چاہئے البتہ یہ تعاون نیکی اور تقوے کی اساس پر ہونی چاہئے نہ کہ گناہ و ظلم کی بنیاد پر ، مسلمانوں کے درمیان تعاون اسلامی معاشرے کی مصلحت اور خدا کی مرضی کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔

خداوند عالم نے ایک طرف عام انسانوں کو نیکی اور تقوے کی اساس پر تعاون کرنے اور گناہ و ظلم میں تعاون نہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے "تعاونوا علی البر والتقویٰ" مائدہ 2 (اے ایمان والو) نیکی اور تقوے پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و تعدی پر آپس میں تعاون نہ کرنا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہنا کہ اس کا عذاب بہت سخت ہے۔

دوسری طرف خدا نے محروموں اور وطن سے نکالے گئے لوگوں کے حقوق کی بازیابی میں بعض مسلمانوں کی غفلت و کاہلی کی مذمت کرتے ہوئے انہیں معتوب قرار دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے "مالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون

ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا" (نساء 75) اور آخر

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے جنہیں کمزور بنا کر رکھا گیا ہے اور جو برابر دعا کرتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس قریے سے نجات دیدے جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے کوئی سرپرست اور اپنیطرف سے مدد گار قرار دیدے۔

خداوند متعال نے صرف مومنین کو باہمی تعاون کرنے اور کمزور مسلمانوں کا حق دوبارہ حاصل کرنے میں غفلت برتنے میں مورد عتاب قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان کے لئے تعاون کرنے کی راہوں کو بھی واضح کر دیا ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں کوئی بہانے بازی نہ کرسکیں ، قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام کرنے (انعام 54) اور اگر کوئی سلام کرے تو اس کا خندہ پیشانی اور اچھی طرح سے جواب دینے یہاں تک کہ اگر حالت نماز میں بھی ہو تو سلام کاجواب دینے کو واجب قرار دیا ہے (کلینی ج3 ص 366)۔

اسلام نے اسی طرح مذہبی اجتماعات جیسے نماز جماعت ، نماز جمعہ اور دیگر اجتماعات میں شرکت کرنے پر تاکید کی ہے اسی طرح اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے کا حکم دیا ہے خواہ ان کا دین اور قومیت کچھ بھی ہو (نساء 36)۔ اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ مسلمان کو اپنے مسلمان و مومن بھائی

کے لئے خیر خواہی اور مخلصانہ جذبات کا حامل ہوتے ہوئے اس کے لئے خدا سے مغفرت و بخشش کی آرزو کرنا چاہئے (سورہ حشر 10) یہ اسلامی تعلیمات کے کچھ نمونے تھے جن پر عمل کرنے سے اسلامی معاشرے میں تعاون خود بخود وجود میں آجاتا ہے یہاں پر ہم ہمسائے کے حق میں سنت نبوی علی صاحبہا آلاف التحیہ والثناء کی ایک مثال دے رہے ہیں۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا جانتے ہو ہمسائے کا حق کیا ہے؟ لوگوں نے کہا جی نہیں، آپ نے فرمایا ہمسائے کا حق یہ ہے کہ اگر وہ تم سے مدد مانگے تو اسکی مدد کرو، اگر قرض چاہئے تو اسے قرضہ دو، اگر وہ مالی بدحالی کا شکار ہو جائے تو اس کی مالی مدد کرو اگر کسی مصیبت سے دچار ہو جائے (کوئی مرجائے) تو اسکو تعزیت پیش کرو، اگر مریض ہو جائے تو اسکی عیادت کرو اور اگر مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو، اپنے گھر کی عمارت کو اس کے گھر کے سامنے اس طرح اونچا تعمیر نہ کرنا کہ اسکی طرف ہوا کا بہا ورک جائے مگر یہ کہ وہ اجازت دیدے، اگر تم پھل خریدو تو اس کے لئے کچھ تحفے کے طور پر لے جاؤ اور اگر تم میں استطاعت نہیں ہے تو چھپاکر گھر لے جاؤ اور خیال رکھو کہ تمہارا بچہ میوہ لیکر باہر نہ جائے تاکہ ہمسایہ کا بچہ حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھے۔ اپنے ہمسائے کو اپنے پکوان کی خوشبو سے پریشان نہ کرو مگر یہ کہ اس کے لئے بھی کچھ بھیج دو (شہید ثانی ص 114)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تحفہ لایا گیا آپ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ان لوگوں سے فرمایا آپ لوگ بھی اس تحفے میں میرے ساتھ شریک ہیں (شہید ثانی ص 114) یہاں پر ایک اہم سوال یہ پیش آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف میں ہمسائے کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں کیا وہ ایک محلے ایک شہر اور ایک اسلامی ملک سے مختص ہیں؟ یا اسلامی معاشرے کو وجود میں لانے کے لئے اسلامی ملکوں پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے ہمسایہ اسلامی ملکوں کے لئے ان امور پر عمل پیرا ہوں؟ ہم کیوں اسلامی احکام کو ہمیشہ فردی احکام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ کیا امت اسلامیہ کی ہر فرد کے تعلق سے چاہے وہ کسی بھی ملک میں ہو کسی بھی نسل و قوم سے اس کا تعلق ہو اس کے ساتھ اتحاد رکھنا اس کا دفاع کرنا کیا تمام مسلمانوں کا فریضہ نہیں ہے؟ بنابرین اسلامی کانفرنس تنظیم، اسلامی ملکوں کے سربراہوں اور اسلامی حکومتوں اور اسلامی ملکوں کی پارلیمانوں کی سنگین ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنے فرائض انجام دیں۔ اور اسلامی علماء اور مفکرین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلامی مذاہب میں گفتگو کا سلسلہ شروع کرائیں کیونکہ سیرت النبی میں دیگر ادیان کے پیروں کو بھی اپنے آداب بجالانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کرنے کی اجازت تھی (شیخ مفید ص 114)

4. احسان و خیرات اور غربت سے مقابلے کے ذریعے

اقتصادی فروغ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے پتہ چلتا ہے آپ نے معاشرے کے عام انسان کی معیشتی خوش حالی، ناداروں، مسکینوں اور یتیموں کی سرپرستی معاشرے، میں ذخائر، دولت اور مواقع کی منصفانہ تقسیم بندی، انفاق کے ذریعے ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے، قرضے دینے، اور قرض ادا کرنے کے لئے کافی مہلت دینے نیز احسان و نیکو کاری پر تاکید کی ہے۔

اسلامی امت اور اسلامی معاشرے میں اس بات کی ضرورت ہے کہ عام آدمی کی معیشتی زندگی کو بہتر بنایا جائے، طویل مدت منصوبہ بندی کے ذریعے غربت سے مقابلہ کیا جائے، کمزور طبقے، مسکینوں اور ناداروں اور یتیموں کی دستگیری کی جائے، معاشرے میں ایسے قوانین نافذ کئے جائیں جن سے ذخائر، دولت اور مواقع کی منصفانہ تقسیم ہوتی ہو۔ صدقہ رحم کھا کر یا پھر احسان جتانے اور بے جا فخر کرنے کے لئے نہیں بلکہ فقیروں

اور ونداداروں کو اپنے مال میں شریک سمجھ کر اور انہیں مستحق جان کر دیا جائے۔ ان تمام امور پر قرآن کریم نے تاکید کی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرے کی بنیادیں مستحکم کرنے کے لئے ان پر عمل کیا ہے اور لوگوں کو عمل کی ترغیب دلائی ہے۔ (حجرات 13، بقرہ 267، منافقون 10، حدید 11، بقرہ 280، بقرہ 195، بقرہ 264، بقرہ 262، معارج 24، 25)

5. اجماعی نگرانی یا امر بالمعروف و نہی از منکر - (اعراف 199)

اجتماعی نگرانی اور مسلمانوں کا ایک دوسرے کو حق و صبر کی تلقین کرنا امر بالمعروف اور نہی از منکر، نیز سماجی امور میں سستی اور غفلت سے پرہیز کرنا ایسے امور میں جن پر عمل کرنے کے اچھے اثرات اور ترک کرنے کے برے اثرات سارے معاشرے پر یکساں طور پر پڑتے ہیں۔ ان امور پر عمل کرنا دینی معاشرے کی تشکیل کے لئے سنت نبوی کا ایک بنیادی اصول ہے آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے کنتم خیرامة اخرجت للناس تاملون بالمعروف و تنہون عن المنکر۔ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

بے شک مسلمان اس وقت برتر و ممتاز امت کہلائیں گے جب وہ ایک دوسرے کو نیکیوں کی دعوت دیں اور برائیوں سے روکیں اور اگر مسلمان ان دو فریضوں کو بھلا دیں تو نہ بہترین امت کہلائیں گے اور نہ ہی انسانیت کے لئے مفید واقع ہونگے (تفسیر نمونہ ص 97)

اسی طرح مثالی معاشرہ قائم کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاسی کرتے ہوئے لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے ان کی خبر گیری کرنا، لوگوں کو گناہ سے دور رکھنے کے لئے بے لوث جدوجہد کرنا، عوام کو اچھے اخلاق اپنانے کی ترغیب دلانا، اچھائی اور برائی کو اور اس کے مصادیق کو واضح کرنا یہ سارے امور امر بالمعروف و نہی از منکر میں شامل ہیں۔

یہاں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی از منکر پر عمل کرنے والوں کو خود محوری، خود غرضی۔ خودسری، صرف خود کو حق پر سمجھنے اور دوسروں کو سراسر باطل سمجھنے گفتار رفتار میں شدت پسندی، سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ قرآن کریم کی نظر میں وہم و گمان باطل سے پرہیز کرنے پر تاکید کی گئی ہے اور بعض گمانوں کو گناہ قرار دیا ہے اسی طرح اس نہایت اہم واجب فریضے پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کا مذاق اڑانے، عیب جوئی کرنے، پردہ فاش کرنے اور ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کرنے سے پرہیز کرنا ضروری ہے کیونکہ قرآن نے ان تمام امور سے منع کیا ہے۔ (حجرات 12، حجرات 18)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے امر بالمعروف اور نہی از منکر کے سلسلے میں عملی نمونہ پیش کیا ہے کہ اس موقع پر لوگوں کا احترام باقی رکھا جائے اور ادب کی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، نفرت انگیز گفت گو نہ کی جائے بلکہ رواداری، حیا، صداقت، تواضع نرمی کلام، بزرگوں کے احترام اور چھوٹوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ اسی طرح لوگوں کے راز نہ فاش کئے جائیں اور نہ ان کی غلطیوں کو بار بار دہرایا جائے۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر کا فریضہ بجالائے ہوئے ہمیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہئے۔ آپ نرم اخلاق کے حامل اور نہایت پرسکون ہم نشین تھے نہ تند خوتھے نہ ہی سخت گیر۔ نہ فحاش تھے اور نہ ہی عیب تلاش کرتے تھے اور نہ کسی کی چاپلوسی کرتے تھے جو چیز پسند نہ فرماتے اس سے غص نظر کر لیتے اور کوئی بھی آپ سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔

ان تعلیمات کی اساس پر ہم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں ہمیں امر بالمعروف اور نہی از منکر کے بہانے ایک دوسرے کی جان کے درپے نہیں ہوجانا چاہئے اور نہ ہی دوسروں کے لئے سبب آزار و اذیت اور تصادم کا باعث بننا چاہئے ، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اخلاقی لحاظ سے آپ سے سب سے زیادہ شبابت رکھنے والا شخص وہ ہے جو اچھے اخلاق کا حامل ہو، جس میں نرمی اور ملائمت زیادہ ہو ، اپنے اعزاء و اقارب کے حق میں زیادہ نیکیاں کرتا ہو اپنے دینی بھائیوں سے زیادہ مہربانی سے پیش آتا ہو، حق پر جن کا صبر زیادہ ہو جو غصے کو پی جاتا ہو اور زیادہ بذل و بخشش اور انصاف کا حامل ہو۔

بنابریں غیرت الہی سے حاصل شدہ غیرت دینی کے سہارے اسلامی معاشرے کو اس سمت میں لے جایا جانا چاہئے جہاں ہر مسلمان منکر سے بیزار ہو، اور اسلامی ملکوں میں محرمات کی ترویج کے مقابل خاموشی اختیار نہ کرے اور احکام خداوندی کے سلسلے میں رواداری کا اظہار نہ کرے۔

اگر ہم غور کریں تو فی زمانہ ، داخلی سطح پر امت اسلامی کا فریضہ ہے کہ وہ داخلی سطح پر اپنی اصلاح اور اتحاد کے لئے تعمیری گفتگو کی راہ ہموار کرنے ، اور بیرونی سطح پر دشمن کا ہر طرح سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے ، کیا آج امت اسلامی مشاہدہ نہیں کر رہی ہے کہ مغربی سامراج نے اس کے مکتب و مقدسات کو نشانہ بنایا ہوا ہے ؟ بلکہ اس کی بعض سرزمینوں پر قبضہ بھی کر لیا ہے اور قبلہ اول کے غاصبوں کی بھرپور حمایت کر رہا ہے

(النساء 93، بقرہ 217، یوسف 73، بقرہ 279، محمد 22، بقرہ 205، ہود 88)

6. اخلاقی ، مالی ، انتظامی ، اور سیاسی بدعنوانیوں کا مقابلہ

خداوند عالم برائی کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور اسلامی معاشرے کو فساد سے عاری دیکھنا چاہتا ہے اسی وجہ سے قرآن کی متعدد آیات میں انسانوں کو ہر طرح کی برائی سے روکا گیا ہے ، مرحوم شیخ طبرسی آیہ مبارکہ ولاتفسدوا وافی الارض (اعراف 56) کے ذیل میں کہتے ہیں

" زمین میں فساد برپا کرنے سے مراد لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے اور بعض لوگوں نے اس سے مومنین کا قتل ، گناہ اور ظلم بھی مراد لیا ہے۔ (مجمع البیان ج 4 - ص 56)

مرحوم شیخ طوسی تبیان میں کہتے ہیں

فساد کے معنی کسی بھی چیز کے اعتدال سے خارج ہونے کے ہیں۔

(تبیان ج 1 ص 75)

فخر رازی کی نظر میں فساد کسی چیز کا حیز انتفاع سے خارج ہونا ہے ، اس کی ضد اصلاح ہے وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ زمین میں فساد پھیلانے کے ایک معنی گناہوں کو آشکار کرنا اور کھلم کھلا گناہ کرنا ہے ۔

بنابریں زمین میں فساد پھیلانے سے مراد حداعتدال سے خارج ہوتا، حیز انتفاع سے نکل جانا ، دوسروں کو نقصان پہنچانا، مختصر یہ کہ ہر وہ کام ہے جس سے خدا نے منع فرمایا ہے لہذا گناہ و معصیت علی الاطلاق ، زمین میں فساد اور افساد سے عبارت ہے۔ خداوند عالم نے زمین میں فساد کی روک تھام کے لئے قتل نفس ، فتنہ انگیزی ، چوری ، ربا (سود) خواری قطع رحم، زراعت و نسل کی نابودی نیز معاشرے میں ہر طرح کی برائی سے

مقابلے کا حکم دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر اچھائیوں کو پھیلانا واجب قرار دیا ہے۔ سیرت طیبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فردی اور اجتماعی زندگی کے تمام امور میں ایسی تعلیمات ملتی ہیں جو دینی اور قرآنی معاشرے میں امر بمعروف و نہی از منکر کو بامعنی بنادیتی ہیں۔ بیت المال کی نسبت ذمہ داری اور اس کا صحیح جگہ پر خرچ کیا جانا کافروں اور برے لوگوں کا بائیکاٹ اور ان کے ساتھ دوستی سے منع کرنا، ظالموں کا بائیکاٹ اور ان کے ساتھ تعاون کی حرمت کفار سے ہدیہ قبول نہ کرنا، قتل عام کی مخالفت، قریبی لوگوں دوستوں اور قرابت داروں کی جانب سے خصوصی مطالبات اور حق سے بڑھ کر خواہشات کے مقابل مزاحمت اور ان کا مسترد کرنا، جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض اصحاب نے مسجد کی طرف اپنے گھروں کی دروازے کھلے رکھنے کی درخواست کی تھی (اربلی ، ج 1 ص 320)

7. تنظیم امور و نظم و نسق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کے مختلف امور کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ہی ان سے غفلت برتی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشیت و ارادہ الہی ، توکل اور رحمت خداوندی کے نام پر عوام کی مشکلات حل کرنے کی ذمہ داری سے گریز نہیں فرماتے تھے بلکہ چارہ جوئی ، عملی منصوبوں اور صحیح انتظامات کے ذریعے لوگوں کے مسائل حل کرنے کی سعی بلیغ فرمایا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے بعد مسجد النبوی کی توسیع و مرمت ، اور خواتین کے لئے مسجد کا ایک دروازہ مخصوص کرنے کے لئے آپکا حکم، تاکہ عورتوں اور مرد الگ الگ دروازوں سے آجاسکیں ، اسی طرح عورتوں اور مردوں کا خود کو ایک دوسرے سے مشابہ بنانے کو حرام قرار دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی اقدامات کے واضح نمونے ہیں۔

اسی طرح مسائل کے حل کے لئے فیصلہ کرنے سے قبل باہمی مشاورت ، فیصلہ کرنے وقت دوراندیشی ، ایک دوسرے کے ساتھ رواداری سے پیش آنے پر تاکید، اور " اسی طرح لوگوں سے پیش آؤ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ پیش آیا جائے " کے الہی اور انسانی اصول کے تحت لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت پر تاکید، دشمن کے مقابل طاقت کا مظاہرہ ، اور دشمن کی دھمکیوں اور تشدد سے مرغوب نہ ہونے کی تلقین ، یہ سارے امور بھی آپ کی الہی تعلیمات کا نمونہ ہیں کہ امت اسلامی سے ہمدردی رکھنے والوں کو ان پر عمل پیرا ہو کر امت اسلامی کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ تاکہ مسلمان اپنی عزت رفتہ کو دوبارہ حاصل کر سکیں انشاء اللہ

نتیجہ:

بے شک خداوند عالم کے وعدے کے مطابق قافلہ انسانی ، اسلام کی روز افزوں ترقی سے الہی اقدار کی حاکمیت مطلق کی منزل کی طرف روان دوان ہے۔ علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں فرماتے ہیں۔ احوال کائنات میں گہری تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کائنات کا جزء ہونے کی حیثیت سے اپنے ہدف غائی یعنی کمال کی منزل حاصل کر کے رہے گا اور یہ منزل دنیا پر اسلام کی حکمرانی اور اسلام کے ہاتھوں میں انسانی قافلے کی باگ ڈور آنے سے عبارت ہے۔ خداوند کریم نے قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے۔ المیزان ج 4 ص 100۔

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری کہتے ہیں

انسانی معاشرے تہذیبیں اور ثقافتیں، یکسانیت متحد الشکل ہونے اور سرانجام ایک ہونے کی طرف آگے بڑھ رہی ہیں انسانی معاشرہ کا مستقبل کمال یافتہ متحد معاشرے کی شکل میں ظہور پذیر ہوگا جسمیں انسان کی تمام بالقوہ صلاحیتیں فعلیت کا جامہ پہن لیں گی اور انسان حقیقی کمال و سعادت اور آخر کار حقیقی انسانی منزل پر فائز ہو جائے گا۔ (مطہری ص 359)

ہم نے جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کے پیش نظر اسلامی اقدار کی حکمرانی کے تعلق سے وعدہ الہی کو پورا کرنے کے لئے اور امت واحدہ اسلامی وجود ہیں لانے کے لئے، تمام اسلامی مذاہب کو چاہئے کہ نور قرآن کی ضیاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی سیرت پر عمل کرتے ہوئے منصوبہ بندی کریں اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مہدی موعود علیہ السلام کی امامت میں عالمی اسلامی معاشرے قائم کرنے کی زمین ہموار کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حوالجات ۔

- قرآن کریم
- نہج البلاغہ
- ابن ابی الحدید شرع نہج البلاغہ
- کشف الغمہ اربلی
- تفسیر کبیر فخر رازی
- المحاسن، برقی
- تفسیر موضوعی
- ارشاد القلوب، دیلمی
- تنزیہ الانبیاء سیدمرتضی
- مسکن الفرائد شہید ثانی
- وسائل الشیعہ حرعاملی
- ثواب الاعمال شیخ صدوق
- معانی الاخبار شیخ صدوق
- من لایحضرہ الفقیہ شیخ صدوق
- مجمع البیان شیخ طبرسی
- مکارم الاخلاق شیخ طبرسی
- التبیان فی تفسیر القرآن
- الاختصاص شیخ مفید
- المیزان فی تفسیر القرآن
- تفسیر القی
- اصول الکافی
- تفسیر فرات کوفی

بحار الانوار

مستدرک الوسائل محدث نوری

تفیسر نمونہ

روضۃ الواعظین نیسابوری